سپین اور سسلی میں تبلیغِ اسلام اور جماعت احمدیہ

از

سیدنا حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

سپین اور سسلی میں تبلیغِ اسلام اور جماعت احمدیہ

(فرمودہ ۳۰ ؍جون ۱۹۴۶ء بعد نماز مغرب)

اسلامی تاریخ میں ایک نہایت ہی اہم واقعہ سپین پر اسلامی لشکر کا حملہ ہے جس سے یورپ میں اسلام کا قیام ہوا۔ یوں تو سارے انسان ہی خدا تعالیٰ کے نزدیک ایک جیسے ہیں اور کسی جماعت یا کسی طبقہ کو کسی دوسری جماعت پر کوئی فوقیت نہیں لیکن یورپ اس اسلامی حملہ کے بعد سارے مشرق پر چھا گیا گویا یہ اسلامی حملہ ایسا تھا جس نے ذوالقرنین کے بند کو توڑ دیا۔ یورپ سویا ہوا تھا اسلامی حملہ نے اسے بیدار کر دیا، یورپ غافل تھا اسلامی حملہ نے اسے ہوشیار کر دیا، اس نے بیدار ہوتے ہی ایشیا اور افریقہ پر قبضہ کر لیا۔ مسلمان اگر ہمت دکھاتے اور جو چیز ان کو دی گئی تھی اُسے مضبوطی سے پکڑے رکھتے اور اپنی طاقت کو کمزور ہونے سے بچاتے تو آج مسلمانوں کی یہ حالت نہ ہوتی کہ بجائے اِس کے کہ ایشیا یورپ پر قابض تھا آج یورپ ایشیا پر قابض ہے اور بجائے اس کے کہ اسلام کے غلبہ اور شوکت کی وجہ سے یورپ میں عیسائیت کا نام ونشان نہ ملتا آج عیسائیت ایشیا میں اسلام کو کمزور کر رہی ہے۔ مسلمان حملہ کرنے اور ان ممالک کو فتح کرنے کے بعد سب کچھ بھول گئے، وہ اُن عزائم کو بھول گئے جن کا وہ عہد کر کے نکلے تھے اور وہ ان مقاصد کو بھول گئے جن کو حاصل کرنے کے لئے نکلے تھے، اِس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ آپس میں لڑنے لگ گئے اور آپس میں لڑنے کی وجہ سے ان کی طاقت کمزور ہوگئی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کو ابھی پچاس ساٹھ سال بھی نہیں گزرے تھے کہ مسلمان افریقہ پر چھا گئے اور ابھی پہلی صدی باقی ہی تھی کہ انہوں نے سپین پر حملہ کیا اور ایسے جوش سے حملہ کیا کہ یوں معلوم ہوتا تھا ان کے اندر ایک آگ تھی جو ان کو ہر میدان میں فتح اور

کامیابی عطا کرتی تھی۔

ہسپانیہ کو طارق نامی جرنیل نے فتح کیا جو بہت تھوڑی سی فوج کے ساتھ ہسپانیہ میں داخل ہوا۔ اس نے حملہ کرنے سے پیشتر اپنی فوج کے سامنے ایک تقریر کی اور فوج کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ہم اسلام کے غلبہ کے لئے اِس مُلک میں آئے ہیں۔ (ہاں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ مسلمانوں نے یونہی سپین پر حملہ نہیں کیا بلکہ سپینی لوگوں نے افریقہ کے مسلمانوں پر حملہ کر کے لڑائی کو مسلمانوں کے لئے جائز کر دیا تھا اس جرنیل نے کہا) یہ مُلک بہت وسیع ہے اور ہماری فوج بہت تھوڑی ہے اتنے وسیع مُلک کو فتح کرنے کیلئے ہمیں بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا ہوگا ممکن ہے کہ اتنے بڑے مُلک کو سَر کرنے کیلئے ہمیں لاکھوں کی فوج کا مقابلہ کرنا پڑے اور بعض مسلمانوں کے دلوں میں بُزدلی پیدا ہو کہ یہ کام ہم سے نہیں ہو سکے گا ہمارے لئے واپس جانا بھی ممکن رہے کیونکہ ہمارے جہاز تیار کھڑے ہیں ہم جہازوں پر چڑھ کر بھاگ جائیں گے اس لئے آؤ ہم پہلے اپنے جہاز غرق کریں اور پھر حملہ شروع کریں۔ اگر ہم لڑائی میں فاتح ہونے کی حالت میں زندہ رہے تو ہمیں نئے جہاز مل جائیں گے اور اگر ہم مغلوب ہو گئے تو پھر ہم یہیں مر جائیں گے اور اس ذلّت کی حالت میں واپس نہیں جائیں گے۔ سب نے کہا ہاں ٹھیک ہے پہلے جہازوں کو غرق کرنا چاہئے تا کہ بھاگنے کا خیال بھی کسی کے دل میں نہ آئے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے جہاز غرق کر دیئے اور پھر لشکر آگے بڑھا۔ لشکر ابھی تھوڑا ہی آگے بڑھا تھا کہ ہسپانیہ کی فوجیں مقابلہ کے لئے آ گئیں بہت شدت کا رَن پڑا آخر ہسپانیہ کی فوجیں پسپا ہو گئیں۔ کچھ دُور اور آگے بڑھے تو ہسپانیہ کی ایک تازہ دم فوج جو ایک لاکھ کے قریب تھی مقابلہ کے لئے آگے بڑھی۔ چند دن کی شدید جنگ کے بعد مسلمانوں نے اُس فوج کو بھی تتر بتر کر دیا اور اس حصہ پر قابض ہو گئے۔ اس علاقہ کو فتح کرنے کے بعد طارق نے ابوموسیٰ کو جو اصل کمانڈر تھے، افریقہ میں اطلاع بھیجی کہ ہم نے یہ علاقہ فتح کر لیا ہے۔ چونکہ اُس وقت لمبے فاصلے طے کرنے مشکل تھے اور ذرائع رسل و رسائل عام نہ تھے اس لئے مُلک کے ایک گوشہ کو ہی ایک مُلک سمجھ لیا جاتا تھا۔ مثلاً مدراس کو ایک مُلک، بمبئی کو ایک مُلک اور سندھ کو ایک مُلک خیال کیا جاتا تھا۔ اُندلسیہ جو سپین کا نچلا علاقہ ہے یہ بھی اُس وقت کے لحاظ سے ایک بہت بڑا علاقہ سمجھا جاتا تھا اُنہوں نے

سمجھا کہ ہم نے سپین کو فتح کر لیا ہے حالانکہ سپین کا ایک بہت بڑا حصہ ابھی باقی تھا جس کو بعد میں آہستہ آہستہ مسلمانوں نے فتح کیا۔

جب بنواُمیہ کو بنوعباس نے شکست دی تو بنواُمیہ کے بعض شہزادے بھاگ کر سپین چلے گئے اور اُنہوں نے ایک نئی بادشاہت وہاں قائم کر لی جو بعد میں خلافت کے نام میں تبدیل ہوگئی۔ خلافت ۱۳۰۰ عیسوی تک قائم رہی۔ اِس علاقہ پر آٹھ سَو سال تک مسلمانوں نے حکومت کی اور ان کے آباء اس شان کے تھے کہ یورپ کی بڑی سے بڑی حکومتیں بھی ان سے ڈرتی تھیں لیکن جو بیٹے پیدا ہوئے وہ معمولی معمولی باتوں پر آپس میں لڑ پڑتے تھے۔ اس وجہ سے وہ اتحاد قائم نہ رکھ سکے۔ ان کی اس حالت کو دیکھ کر عیسائیوں کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں نے باہم اتحاد کر کے ایک ایک کر کے مسلمانوں کے علاقے فتح کرنے شروع کئے۔ وہ ایک رئیس کو دوسرے رئیس سے لڑوا دیتے اور ان میں سے ایک کی مدد کر دیتے۔ اس طرح انہوں نے مسلمانوں کی طاقت کو بالکل کمزور کر دیا اور مسلمانوں کا آخری بادشاہ صرف غرناطہ کا بادشاہ رہ گیا لیکن ابھی تک اُس میں اتنی طاقت تھی اور اُس کا اتنا رُعب تھا کہ باوجود اس کے کہ فرانس بھی عیسائیوں کی مدد پر تھا ان کے لئے غرناطہ کا شہر فتح کرنا مشکل ہوگیا۔ عیسائیوں نے مسلمان رؤساء کو اپنے ساتھ ملایا اس کے علاوہ سارے سپین، فرانس اور اِردگرد کے علاقوں نے بھی اپنی نمائندہ فوجیں بھیجیں لیکن اِس کے باوجود وہ اس شہر کو فتح نہ کر سکے۔ آخر عیسائی بادشاہ فرڈیننڈ نے یہ سوچ کر کہ اس شہر کو فتح کرنا آسان کام نہیں، غرناطہ والوں کے سامنے یہ پیش کیا کہ اگر صلح کر لو تو ہم تمہیں اجازت دیں گے کہ اپنا سامان ساتھ لے جاؤ اور کتب خانے بھی لے جاؤ ہم کوئی تعرّض نہ کریں گے۔ جب یہ شرائط عیسائی بادشاہ نے پیش کیں تو مسلمان بادشاہ نے بڑے بڑے مسلمان رؤساء کو بُلایا اور اُن کے سامنے یہ شرائط پیش کیں۔ انہوں نے کہا ہاں ہمیں منظور ہے۔ وہ لمبے محاصرہ کی وجہ سے گھبرائے ہوئے تھے اس لئے انہوں نے بخوشی منظور کرنا پسند کر لیا۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے پاس اتنی طاقت نہیں کہ ہم دشمن کا مقابلہ کر سکیں اور اگر زیادہ دیر تک محاصرہ رہا تو ہم ہتھیار رکھ دینے پر مجبور ہوں گے۔ اُس وقت ایک مسلمان جرنیل کھڑا ہوا اور اُس نے کہا سَو سال سے عیسائی تمہارے ساتھ یہ سلوک کرتے آ رہے ہیں کہ وہ ایک حکومت سے معاہدہ

کرتے ہیں اور دوسری پر حملہ کر دیتے ہیں اور اُس طرح آہستہ آہستہ انہوں نے ہماری ساری طاقت کو ختم کر دیا ہے کیا اب بھی تمہاری آنکھیں نہیں کھلیں؟ ایک یہ جگہ رہ گئی ہے جہاں اسلام کا جھنڈا لہراتا ہے کیا اسے بھی تم دشمن کے حوالہ کرنا چاہتے ہو؟ کیا تمہیں اپنے آباءواجداد کی شان بھول گئی ہے جب کہ پوپ تک ان سے ادب واحترام سے پیش آتے تھے۔ وہ لوگ نہایت عزت کی زندگیاں بسر کرتے ہوئے ہم سے رُخصت ہوئے اور یہ امانت ہمارے سپرد کر گئے۔ اگر آپ لوگ آج ہتھیار ڈال دیں گے تو اسلام کے جھنڈے کو اپنے ہاتھوں سے سرنگوں کرنے والے ہوں گے۔ جب اُس نے بات ختم کی تو سب نے کہا پھر کوئی علاج بتاؤ کہ اب کیا کیا جائے؟ اُس نے کہا علاج یہی ہے کہ جوانمردی اور بہادری سے مرتے ہوئے جان دے دو لیکن ہتھیار نہ رکھو۔ آخر تم میں سے کون ہے جس نے مرنا نہیں۔ اگر ہر ایک نے مرنا ہے تو پھر چارپائی پر ذلّت کی موت سے یہ بہادری کی موت ہزار درجے بہتر ہے اور اگر تم اپنی جانوں کو عزیز سمجھے اور ان کی قربانی کے لئے تیار نہ ہوئے تو آئندہ نسلیں تم پر لعنت بھیجیں گی کہ ہمارے آباءواجداد نے اسلام کا جھنڈا اپنے ہاتھوں سے سرنگوں کر دیا تھا۔ اُس کی اِس تقریر نے بہت سے رؤساء کے دلوں میں جوش پیدا کر دیا اور بادشاہ اور رؤسا نے کہا یہ ٹھیک کہتا ہے ہمیں ایسا ہی کرنا چاہئے اور اپنی روایات کو برقرار رکھنا چاہئے لیکن کچھ بُزدل رؤساء نے کہا یہ تو پاگلوں والی بات ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ ہم دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور اگر ہم مقابلہ کریں گے تو ہماری ہلاکت یقینی ہے تو پھر ہمارا لڑنا کوئی معنی نہیں رکھتا ہمیں ان کی شرائط کو قبول کر لینا چاہئے۔ جب وہ ہمیں اپنے کتب خانے، اپنے اسباب اور اپنے اموال لے جانے کی اجازت دیتے ہیں اور ہمارے رستے کھلے چھوڑتے ہیں تو ہمیں ان شرائط کے قبول کرنے سے گریز نہیں کرنا چاہئے۔ اس پر پھر وہ جرنیل کھڑا ہوا اور اُس نے کہا کیا عیسائیوں نے پہلی دفعہ یہ معاہدہ کیا ہے کہ ہمیں ان کے رویہ کا علم نہیں؟ وہ سَو سال سے معاہدے کرتے اور توڑتے چلے آتے ہیں اس حالت میں ہمیں ان کے اس معاہدہ پر کیا اعتبار ہو سکتا ہے کہ وہ ہمارے رستے میں روک نہیں بنیں گے۔ اس کے جواب میں رؤساء نے کہا یہ ضروری نہیں کہ جو شخص دس دفعہ جھوٹ بولتا ہے، وہ گیارہویں دفعہ بھی ضرور جھوٹ بولے، ہو سکتا ہے کہ وہ اس دفعہ ایفائے عہد کر دیں اور ہم صحیح سلامت اپنے

وطنوں کو چلے جائیں۔ ان کا یہ جواب سن کر اُس جرنیل نے کہا بہت اچھا اگر آپ کو اپنی زندگیاں پیاری ہیں تو آپ ہتھیار رکھ دیں میں تو اس قسم کی زندگی سے مرنا بہتر سمجھتا ہوں۔ چنانچہ وہ اپنی تلوار لے کر باہر نکلا اور اکیلا ہی دشمنوں کا مقابلہ کرتا ہوا مارا گیا۔ باقی لوگوں نے ہتھیار رکھ دیئے۔ غرناطہ کا بادشاہ اپنے شہر سے کچھ دور نکل کر ایک ٹیلے پر چڑھ گیا جہاں سے سب شہر نظر آتا تھا وہاں کھڑا ہو کر اس نے شہر پر نظر ڈالی تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اُس کی بیوی بھی اُس کے ساتھ تھی، معلوم ہوتا ہے کہ اُس کی بیوی میں کچھ اسلامی روح پائی جاتی تھی، اس نے بادشاہ سے کہا مردوں کا کام تو تو نے کیا نہیں، بجائے اس کے کہ تم لڑتے ہوئے اپنی جان دے دیتے تم نے ذلّت کی زندگی پسند کی اب روتے کیوں ہو؟ رونا تو ہم عورتوں کا کام تھا جب ہم نہیں روتیں تو تم کیوں روتے ہو؟ بہرحال جہازوں میں کتب خانے اور مال و اسباب سب کچھ لاد کر وہ لوگ واپس اپنے وطنوں کو چلے۔ ابھی کچھ دُور ہی گئے تھے کہ عیسائیوں نے جہاز غرق کر دیئے اور صرف چند مسلمان کشتیوں کے ذریعہ واپس اپنے وطن میں پہنچے باقی سب غرق ہو گئے۔ اس مُلک میں آج تک مسلمانوں کے بنائے ہوئے عالیشان محلات موجود ہیں۔ غرناطہ اور قرطبہ میں اِس اِس قسم کے محلات تھے کہ تاج محل اُن کے مقابل پر کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتا۔ انسان جب ان کے کھنڈرات کی تصویروں کو بھی دیکھتا ہے تو عش عش کر اُٹھتا ہے۔ غرناطہ میں ہزاروں ہزار باغات تھے۔ مسلمانوں کے وقت مُلک میں جگہ جگہ لائبریریاں تھیں۔ بعض کتب میں لکھا ہے کہ چھ سات سَو کے قریب وہاں لائبریریاں تھیں اور بعض لائبریریوں میں لاکھ لاکھ، ڈیڑھ ڈیڑھ لاکھ کتابیں تھیں۔ سارا یورپ وہاں تعلیم حاصل کرنے کے لئے آتا تھا۔ جس طرح آج لوگ برلن اور انگلینڈ میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے جاتے ہیں یہی حال اُس وقت قرطبہ اور غرناطہ کا تھا اور فرانس کی یونیورسٹیوں میں اُٹھارہویں صدی تک وہاں کی لکھی ہوئی کتابیں پڑھائی جاتی رہی ہیں۔ جس مُلک میں مسلمانوں نے اِس شان سے حکومت کی آج وہاں کوئی ایک مسلمان بھی نہیں ملتا۔ کوئی غیر مُلک سے وہاں تعلیم کے سلسلہ میں یا اور کسی کام کے لئے گیا ہو تو اور بات ہے لیکن اس مُلک کا کوئی باشندہ مسلمان نظر نہیں آئے گا۔ وہ لوگ جنہوں نے سینکڑوں سال تک سپین پر حکومت کی وہ آج سپین کے زیرِ نگیں ہیں اور وہ لوگ جو سپین کے بادشاہ تھے آج سپین

کے غلام ہیں ۔ یہ واقعات ایسے اہم ہیں جن کو کسی وقت بھی بھلایا نہیں جا سکتا۔ آٹھ سَو سال کی حکومت کوئی معمولی بات نہیں لیکن آج اس مُلک کی یہ حالت ہے کہ اس میں کسی مسلمان کی ہوا تک سونگھنے کو نہیں ملتی ۔

اُس زمانہ میں جس وقت مسلمان سپین پر حکومت کرتے تھے یورپ میں ایک دوسرا مقام بھی تھا جو سپین سے اُتر کر دوسرے نمبر پر تھا۔ مسلمانوں میں عام طور پر ہسپانیہ مشہور ہے اور عام لوگ اس کے متعلق کہتے ہیں کہ اُندلس کی یہ بات ہے اور وہ بات ہے لیکن اِس حکومت کو عوام الناس نہیں جانتے ۔ یہ صقلیہ کی حکومت تھی جو سپین سے دوسرے نمبر پر تھی اور بڑی شان وشوکت سے اس پر اسلام کا جھنڈا لہراتا تھا اور یورپ کی بڑی بڑی حکومتیں اس سے خائف اور لرزاں تھیں ۔ صقلیہ وہ علاقہ ہے جسے آجکل سِسلی کہتے ہیں ۔ یہ ایک جزیرہ ہے جو اٹلی کے نچلے حصہ میں ہے ۔ پُرانے زمانہ میں یہ علاقہ مسلمانوں کے قبضہ میں تھا اور وہ بحیرہ روم پر پورے طور پر قابض تھے اور کسی حکومت کی طاقت نہ تھی کہ ان کی اجازت کے بغیر تجارتی جہاز اس میں سے گزار سکے مسلمانوں کی بڑی بڑی یونیورسٹیاں یہاں تھیں ۔صقلیہ پر مسلمانوں کا حملہ ۶۴۵ ء یا ۶۵۰ ء میں یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات کے تھوڑے عرصہ بعد ہی ہو گیا تھا۔ بنواُمیہ نے جہاں سپین کی طرف رُخ کیا وہاں انہوں نے صقلیہ کی طرف بھی اپنی توجہ مبذول کی لیکن صرف کناروں کا علاقہ فتح کر کے چھاؤنیاں قائم کیں اور باقی اسی طرح پڑا رہا۔ اس کے بعد سپین والوں اور افریقہ کی حکومتِ اسلامی نے اپنے عساکر بھیج کر باقی علاقہ کو فتح کیا۔ یہ علاقہ قریباً تین سَو سال تک مسلمانوں کے ماتحت رہا۔ یہ علاقہ مسلمانوں نے بہت مشکل سے فتح کیا، ایک لمبے عرصہ تک لڑائی جاری رہی اور اندازاً ۱۳۸ سال میں جا کر یہ سارا علاقہ اسلامی حکومت کا حصہ بنا۔ اِس علاقہ کے لوگ بہت جفاکش، محنتی اور جنگجو تھے اِس لئے یورپ کی بڑی بڑی حکومتیں بھی اسے فتح نہیں کر سکتی تھیں مگر مسلمانوں نے ایک لمبی جنگ کے بعد اسے سَر کیا اور اڑھائی تین سَو سال تک مسلمانوں کے قبضہ میں رہا۔ مسلمانوں نے اسے تمام علوم وفنون کا مرکز بنایا۔ دُور دُور کے ملکوں سے طالب علم یہاں تحصیل علم کی خاطر آتے تھے اور تمام قسم کے علوم کی یونیورسٹیاں یہاں پائی جاتی تھیں اور مسلمان سب سے معزز لوگ اس علاقہ میں سمجھے جاتے تھے

اور کوئی قوم ان کے مقابلہ میں ٹھہر نہ سکتی تھی لیکن جو سپین والوں کا حشر ہوا وہی ان کا ہوا۔ عیسائیوں نے مسلمانوں کو صقلیہ کی سرزمین سے اس طرح چن چن کر نکالا کہ آج وہاں کوئی مسلمان دیکھنے کو نہیں ملتا۔ اگر کوئی مسلمان مُردہ دل ہو تو اور بات ہے ورنہ ایک غیرت رکھنے والے مسلمان کے دل پر ان حالات کا مطالعہ کرنے کے بعد جو زخم لگتے ہیں ان کے اندمال کی کوئی صورت نہیں ہو سکتی سوائے اس کے کہ وہ اپنا خونِ دل پیتا رہے۔ اُندلس میں مسلمانوں کو جو شان و شوکت حاصل تھی اور پھر اس کے بعد جو سلوک وہاں کے مسلمانوں سے کیا گیا، اسی طرح صقلیہ میں مسلمانوں کا جو رُعب و دبدبہ تھا اور اس کے بعد جس طرح انہیں وہاں سے نکالا گیا۔

جب میں نے یہ حالات تاریخوں میں پڑھے تو میں نے عزم کیا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے توفیق دی تو میں ان علاقوں میں احمدیت کی اشاعت کے لئے اپنے مبلغین بھجواؤں گا جو اسلام کو دوبارہ ان علاقوں میں غالب کریں اور اسلام کا جھنڈا دوبارہ اس مُلک میں گاڑ دیں۔ پہلے میں نے ملک محمد شریف صاحب کو اس مُلک میں بھیجا لیکن کچھ عرصہ کے بعد وہاں اندرونی جنگ شروع ہوگئی اور قونصل سپین کے انگریزی قونصل(COUNSEL) نے ان سے کہا کہ آپ یہاں سے چلے جائیں۔ پھر میں نے ان کو اٹلی بھیج دیا مگر اب جو نئے وفود گئے ہیں ان میں مَیں نے سپین کو بھی مدنظر رکھا اور اب خدا تعالیٰ کے فضل سے ہمارے مبلغ سپین کے دارالسلطنت میڈرڈ میں پہنچ گئے ہیں جیسا کہ اخبار میں شائع ہو چکا ہے۔ دو آدمی اتنے بڑے علاقہ کیلئے کافی نہیں ہو سکتے اور ہمیں اس کے لئے مزید کوشش جاری رکھنی ہوگی مگر سرِ دست ہم ان دو کو ہی ہزاروں کا قائمقام سمجھتے ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات کے بعد جو لڑائیاں ہوئی ہیں ان میں اکثر اوقات مسلمانوں کی قلت ہوتی تھی۔ شام کی لڑائی میں سپاہیوں کی بہت کمی تھی حضرت ابوعبیدہؓ نے حضرت عمرؓ کو لکھا کہ دشمن بہت زیادہ تعداد میں ہے اس لئے اور فوج بھیجنے کا بندوبست فرما دیں۔ حضرت عمرؓ نے جائزہ لیا تو آپ کو نئی فوج کا بھرتی کرنا ناممکن معلوم ہوا کیونکہ عرب کے اِردگرد کے قبائل کے نوجوان یا تو مارے گئے تھے یا سب کے سب پہلے ہی فوج میں شامل تھے۔ آپ نے مشورہ کے لئے ایک جلسہ کیا اور اس میں مختلف قبائل کے لوگوں کو بُلایا اور ان کے

سامنے یہ معاملہ رکھا۔ انہوں نے بتایا کہ ایک قبیلہ ایسا ہے جس میں کچھ آدمی مل سکتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے ایک افسر کو حکم دیا کہ وہ فوراً اس قبیلہ میں سے نوجوان جمع کریں اور حضرت ابوعبیدہ کو لکھا کہ چھ ہزار سپاہی تمہاری مدد کے لئے بھیج رہا ہوں جو چند دنوں تک تمہارے پاس پہنچ جائیں گے۔ تین ہزار آدمی تو فلاں فلاں قبائل میں سے تمہارے پاس پہنچ جائیں گے اور باقی تین ہزار کے برابر عمرو بن معدی کرب کو بھیج رہا ہوں۔ ہمارے ایک نوجوان کو اگر تین ہزار آدمی کے مقابلہ میں بھیجا جائے تو وہ کہے گا کہ کیسی خلافِ عقل بات ہے۔ کیا خلیفہ کی عقل ماری گئی ہے۔ ایک آدمی کبھی تین ہزار کا مقابلہ کرسکتا ہے لیکن ان لوگوں کے ایمان کتنے مضبوط تھے۔ حضرت ابوعبیدہؓ کو حضرت عمرؓ کا خط ملا تو انہوں نے خط پڑھ کر اپنے سپاہیوں سے کہا خوش ہو جاؤ کل عمرو بن معدی کرب تمہارے پاس پہنچ جائے گا۔ سپاہیوں نے اگلے دن بڑے جوش کے ساتھ عمرو بن معدی کرب کا استقبال کیا اور نعرے لگائے۔ دشمن سمجھا کہ شاید مسلمانوں کی مدد کے لئے لاکھ دو لاکھ فوج آ رہی ہے اس لئے وہ اِس قدر خوش ہیں حالانکہ وہ اکیلے عمرو بن معدی کرب تھے۔ اس کے بعد وہ تین ہزار فوج بھی پہنچ گئی اور مسلمانوں نے دشمن کو شکست دی حالانکہ تلوار کی لڑائی میں ایک آدمی تین ہزار کا کیا مقابلہ کرسکتا ہے۔ زبان کی لڑائی میں تو ایک آدمی بھی کئی ہزار لوگوں کو اپنی بات پہنچا سکتا ہے مگر وہ لوگ خلیفۂ وقت کی بات کو اتنی اہمیت دیتے تھے کہ حضرت عمرؓ نے عمرو بن معدی کرب کو تین ہزار سپاہیوں کا قائمقام بنا کر بھیجا تو سپاہیوں نے یہ اعتراض نہیں کیا کہ اکیلا آدمی کس طرح تین ہزار کا مقابلہ کرسکتا ہے بلکہ اسے تین ہزار کے برابر ہی سمجھا اور بڑی شان وشوکت سے اُس کا استقبال کیا۔ مسلمانوں کے اِس استقبال کی وجہ سے دشمن کے دل ڈر گئے اور وہ یہ سمجھے کہ شاید لاکھ دو لاکھ فوج مسلمانوں کی مدد کو آ گئی ہے اس لئے میدانِ جنگ سے ان کے پاؤں اُکھڑ گئے اور وہ شکست کھا کر بھاگ نکلے۔ سرِ دست ہمیں بھی اس طرح اپنے دل کو اطمینان دینا ہوگا۔

صقلیہ کے لوگ آج کل اپنی آزادی کے لئے کوشش کر رہے ہیں۔ اس علاقے کے مسلمانوں کو جبراً عیسائی بنایا گیا تھا لیکن امتدادِ زمانہ کی وجہ سے وہ اب اپنے آبائی مذہب کو بالکل بھول گئے ہیں۔ صقلیہ میں رہنے والوں میں سے لاکھوں ایسے ہیں جو مخلص دیندار اور

پرہیز گار مسلمانوں کی اولادیں ہیں۔ ان کے آباء واجداد اسلام کے فدائی اور بہت متقی لوگ تھے لیکن یہ لوگ اسلام سے بالکل غافل ہیں اور عیسائیت کو ہی اپنا اصلی مذہب سمجھتے ہیں۔ میں نے اٹلی کے مبلّغین کو لکھا کہ آپ اِس علاقہ میں تبلیغ پر زور دیں کیونکہ ہوسکتا ہے کہ ان کے آباء واجداد کی ارواح کی تڑپ اور ان کی نیکی ان کی اولادوں کو اسلام کی طرف لے آئے۔ پہلا خط ان کا جو مجھے پہنچا اس میں انہوں نے لکھا تھا کہ ہم اب روم سے آ گئے ہیں اور صقلیہ کی طرف جارہے ہیں۔ پھر ان کا دوسرا خط مجھے پہنچا کہ ہم مسینا میں پہنچ گئے ہیں۔ لوگ ہمارے لباس کو دیکھ کر جوق در جوق ہمارے اِردگرد جمع ہو جاتے ہیں ہم ان کو یہ وعظ کرتے ہیں کہ تمہارے باپ دادے تو مسلمان تھے تمہیں کیا ہو گیا کہ تم اسلام سے دُور چلے گئے ہو اب دوسرا مسیح آ گیا ہے آؤ اور اس کے ذریعہ حقیقی اسلام میں داخل ہو جاؤ۔ تیسرا خط ان کا مجھے آج ملا ہے جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ کے فضل سے یہاں کے دو نوجوان احمدی ہو گئے ہیں دونوں بہت جوشیلے احمدی ہیں، احمدیت کی تبلیغ کا بہت جوش رکھتے ہیں۔ ایک کا نام ہم نے محمود رکھا ہے اور دوسرے کا نام بشیر رکھا ہے۔ ان کا خط بھی مجھے آیا ہے جس میں انہوں نے بیعت کا لکھا ہے۔ ہمارے لئے یہ حالات خوش کن ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں توفیق دے کہ یہ دونوں مُلک ہمارے ذریعہ پھر اسلام کا گہوارہ بن جائیں لیکن جہاں ہمارے مبلّغین بیرونی ممالک میں تبلیغ کے لئے جا رہے ہیں اور وہ ہماری طرف سے فریضۂ تبلیغ ادا کر رہے ہیں وہاں ہم پر بھی یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ہم ان کی امداد صحیح طور پر کریں اور ان کے اخراجات کو پورا کرنے کی کوشش کریں۔

کتنے افسوس کی بات ہے کہ ہمارے مبلّغین کا تو بیرونی ممالک میں یہ حال ہے کہ ان میں سے ایک یعنی ماسٹر محمد ابراہیم صاحب نے جنگل میں جا کر درختوں کے پتے کھا کر پیٹ بھرا اور دوسرے بھی نہایت تنگی کے ساتھ گزارہ کرتے ہیں لیکن ہمارے لوگ یہاں تحریک جدید کے چندوں سے بھی گریز کرتے ہیں اور جماعت کا اکثر حصہ ایسا ہے جس نے اِس تحریک میں حصہ نہیں لیا۔ پہلے دَور میں پانچ ہزار آدمیوں نے حصہ لیا تھا لیکن تحریک جدید کے دفتر دوم میں ابھی تک ان سے چوتھائی آدمیوں نے بھی حصہ نہیں لیا حالانکہ چاہیے یہ تھا کہ جس طرح پُرانے لوگ اپنے گھروں سے بے سروسامانی کی حالت میں تبلیغ کے لئے نکل پڑتے تھے اسی طرح میری

تحریک پر ہزاروں احمدی ٹڈی دل کی طرح پیدل ہی تبلیغ کے لئے نکل پڑتے ۔مگر جن کو خود توفیق نہیں ملی ان کا اتنا تو فرض تھا کہ وہ اپنے گھروں کے اموال تبلیغِ احمدیت کے لئے گھروں سے باہر نکال کر خلیفہ کے سامنے پھینک دیتے۔ اگر وہ ایسا کرتے تو ہم کہہ سکتے تھے کہ انہوں نے قربانی کا صحیح نمونہ پیش کیا ہے مگر کتنے ہیں جنہوں نے ایسا نمونہ پیش کیا۔

دفتر دوم میں پچھلے سال ۶۰ ہزار کے وعدے آئے تھے اور اِس سال ۷۷ ہزار کے وعدے آئے ہیں۔ اِس ۷۷ ہزار میں سے صرف ۲۴ ہزار کی ابھی تک وصولی ہوئی ہے۔ سات ماہ گزر چکے ہیں اور ابھی صرف ایک تہائی وصولی ہوئی ہے حالانکہ ہمارا موجودہ خرچ ساڑھے تین لاکھ سالانہ سے بھی زیادہ ہے جہاں ساڑھے تین لاکھ سالانہ کی ضرورت ہو وہاں ۷۷ ہزار کیا کام دے سکتا ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ ہمارے نوجوانوں نے تحریک جدید کے معاملہ میں کوئی اچھی مثال قائم نہیں کی۔ یہ ۷۷ ہزار کا وعدہ نوجوانوں کی طرف سے ہے کیونکہ پُرانے لوگ تو دورِ اوّل میں شامل ہو چکے ہیں۔ دفتر دوم نوجوانوں کے لئے جاری کیا گیا تھا کہ وہ اُس بوجھ کو اُٹھانے کی کوشش کریں جو اِن سے قبل پانچ ہزاری فوج نے اُٹھایا ہے۔ دفتر دوم سے جیسا کہ مَیں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں مَیں پہلے ایک ریزرو فنڈ قائم کرنا چاہتا ہوں تا کہ جب دفتر دوم والوں کے کام کرنے کا وقت آئے ان کا بھی ایک مضبوط ریزرو فنڈ ہو لیکن جو رفتار اِس وقت دفتر دوم کی ہے اس کے لحاظ سے تو صرف پانچ چھ لاکھ کا ریزرو فنڈ قائم ہوسکتا ہے اور یہ فنڈ اِس قابل نہیں جو آئندہ آنے والے اخراجات کا متحمل ہو سکے۔ اب ہمارا خرچ ساڑھے تین لاکھ روپیہ سالانہ ہے اور اتنے بڑے اخراجات کو چلانے کیلئے بیس پچیس لاکھ کا ریزرو فنڈ ہونا چاہئے تا کہ وقتی کمی کو پورا کیا جا سکے اور ہنگامی کاموں کے علاوہ دوسرے مستقل اخراجات کا انتظام اِسی سے کیا جائے۔ اگر ہمارے نوجوانوں میں پہلی پانچ ہزاری فوج والا ہی اخلاص ہوتا اور ان کی طرح دفتر دوم کی آمد بھی تین لاکھ روپیہ سالانہ ہو جاتی تو نو سال کے عرصہ میں ۲۷ لاکھ کا ایک اچھا ریزرو فنڈ قائم ہوسکتا تھا اور اگر ہم پانچ فی صدی آمد بھی فرض کریں تو اس ریزروفنڈ سے ہمیں ایک لاکھ پینتیس ہزار کی سالانہ آمد ہوسکتی تھی اور دس سال کے عرصہ میں اس کی اتنی آمد ہو سکتی تھی کہ اس سے دفتر دوم کے تبلیغی پروگرام کی اہم ضروریات کا بوجھ اُٹھایا جا سکتا تھا۔

جماعت کی پہلی پانچ ہزاری فوج نے چار سَو مربع زمین خریدی ہے اور اب اس سے لاکھ ڈیڑھ لاکھ کی سالانہ آمد ہو جاتی ہے اور امید ہے کہ یہ آمد دو اڑھائی لاکھ تک پہنچ جائے گی اِنْشَاءَ اللّٰہُ اور اس کی وجہ سے جب پہلے دفتر کے مجاہدین کے چندہ دینے کی مدت ختم بھی ہو جائے گی تب بھی کسی مُلک میں ان کے ریز روفنڈ سے تبلیغ ہوتی رہے گی اور ان کے لئے قیامت تک کے لئے ثواب کی صورت ہو جائے گی اور جب تک ہمارا نظام قائم رہے گا اُس وقت تک وہ ثواب کے مستحق رہیں گے اِنْشَاءَ اللّٰہُ۔ ایک مشن کے ذریعہ اگر لاکھوں آدمی اسلام قبول کرتے ہیں تو ان لاکھوں آدمیوں کے مسلمان بنانے میں ان کا بھی حصہ ہوگا اور خواہ ان پر پانچ پشتیں گزر جائیں، خواہ دس پشتیں گزر جائیں، خواہ بیس پشتیں گزر جائیں، اُن کو اِس کارِ خیر کا ثواب ملتا رہے گا۔ کیا یہ چھوٹی بات ہے اور کیا اسے کوئی مؤمن معمولی بات سمجھ سکتا ہے کہ اس کے ذریعہ انگلستان یا امریکہ یا فرانس یا دوسرے ممالک میں لاکھوں انسان جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بُرا کہنے والے تھے، آپ کے نام لیوا بن جائیں، کیا یہ معمولی بات ہے؟ مگر مجھے افسوس ہے کہ نوجوانوں نے اس کی طرف پوری توجہ نہیں کی۔ نہ ہی قادیان کے نوجوانوں نے اِس کی اہمیت کو سمجھا ہے اور نہ ہی باہر والوں نے اپنے فرض کو کماحقہٗ ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمارے لئے کثرت سے اہم مقامات پر نئے تبلیغی رستے کھل رہے ہیں اور وہاں سے پیاسی روحیں پکار رہی ہیں کہ ہماری سیرابی کا کوئی انتظام کیا جائے لیکن ہمارے پاس نہ اتنی تعداد میں آدمی ہیں کہ ہم ہر آواز پر ایک وفد بھیج دیں اور نہ ہی وفود کے بھیجنے کے لئے اخراجات ہیں۔ ایسے حالات میں ایک مؤمن کا خون کھولنے لگتا ہے، خصوصاً سپین اور صقلیہ کے واقعات کو پڑھ کر تو اس کا خون گرمی کی حد سے نکل کر اُبلنے کی حد تک پہنچ جاتا ہے۔ جہاں ہمارے آباء واجداد نے سینکڑوں سالوں تک حکومتیں کیں اور وہ ان ممالک کے بادشاہ رہے وہاں مسلمانوں سے یہ سلوک کیا گیا کہ ان کو جبراً عیسائی بنا لیا گیا اور آج وہاں اسلام کا نام لینے والا بھی کوئی نہیں۔ پھر یہ علاقے اس لحاظ سے بھی خصوصیت رکھتے ہیں کہ وہاں سے تمام یورپین ملکوں میں تبلیغ کے رستے کھلتے ہیں۔ پس اس فریضہ کو سرانجام دینے کے لئے ضرورت ہے اخلاص کی، ضرورت ہے متواتر قربانی کی، ضرورت ہے بلند عزائم کی، تمہاری موجودہ قربانی

دوسروں پر کوئی اثر نہیں کر سکتی کیونکہ ہم اس کو قربانی کہہ ہی نہیں سکتے سوائے چند افراد کے جنہوں نے قربانی کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا ہے لیکن جب تک جماعت بحیثیت جماعت قربانی کا نمونہ پیش نہیں کرتی وہ دشمن کو مرعوب نہیں کر سکتی۔ بیشک آفتاب آفتاب ہے لیکن اگر لاکھ دو لاکھ بتیاں بھی کسی میدان میں رکھ دی جائیں تو وہ بھی اس کو جگمگا دیتی ہیں۔ ہماری جماعت اِس وقت لاکھوں کی تعداد میں ہے اگر یہ لاکھوں شمعیں جل پڑیں تو وہ ایک بہت بڑے مُلک کو جس میں ۵۰ یا ۶۰ لاکھ انسان رہتے ہوں بقعۂ نور بنا سکتی ہیں لیکن ضرورت ہے تقویٰ کی اور ایمان کی۔

پس تم اپنی جماعتی قربانی کے ذریعہ سے سورج بننے کی کوشش کرو تم برسات کا پتنگا نہ بنو جو پیدا ہوتا اور مر جاتا ہے۔

میں نے جماعت کو ان باتوں کی طرف بار بار توجہ دلائی ہے لیکن اس کی جمود کی حالت زائل ہی نہیں ہوتی۔ مَیں تم سے پوچھتا ہوں کیا ہمارے دل پتھر ہو گئے ہیں؟ کیا ہم انسان نہیں رہے؟ کیا ہمارے دلوں میں درد نہیں رہا؟ کیا ہمارے دلوں میں ٹیس نہیں اُٹھتی؟ ہم کیوں اِن واقعات کو پڑھ کر پاگل نہیں ہو جاتے اور اگر اِن واقعات کو پڑھنے کے بعد بھی ہمارے دلوں میں کوئی غیرت پیدا نہیں ہوتی تو سوائے اِس کے اور کیا سمجھا جا سکتا ہے کہ ہم بے ایمان ہو گئے ہیں، ہم بے غیرت ہو گئے ہیں اور ہمارے دل یخ ہو گئے ہیں کہ ان پر کوئی چیز اثر ہی نہیں کرتی۔ اب تو ایسا زمانہ آ چکا ہے کہ ہمارے لوگوں کو چاہئے وہ آدمی نظر نہ آئیں بلکہ موتیں نظر آئیں کیونکہ جس کو دنیا موت سمجھتی ہے اُس کا رستہ چھوڑ دیتی ہے اور اُس کا مقابلہ کرنے سے گھبراتی ہے۔ بدر کی جنگ میں کفار نے ایک شخص کو صحابہؓ کی تعداد کا اندازہ لگانے کے لئے بھیجا۔ اس نے واپس جا کر کہا، ہَیں تو وہ تین سَو کے قریب لیکن تم یہ سمجھ لو کہ گھوڑوں پر آدمی سوار نہیں بلکہ موتیں سوار ہیں [۱] اگر وہی عزم اور وہی ارادہ تمہارے اندر پیدا ہو جائے تو کیا امریکہ اور کیا انگلستان اور کیا روس اور کیا جرمنی سب کے سب مل کر بھی تمہیں مار نہیں سکتے اور دنیا کی کوئی طاقت تمہیں مٹا نہیں سکتی کیونکہ جو شخص مجسم موت بن جائے اُس پر موت طاری نہیں ہو سکتی۔

(الفضل قادیان ۱۷ ؍جولائی ۱۹۴۶ء)

[۱] سیرت ابن ھشام جلد ۲ صفحہ ۱۶ مطبوعہ مصر ۱۲۹۵ھ